© rasailojaraid.com

تاجک بحران: مذاکرات یا عسکری حل؟

محمد الیاس خان

محمد ارشد خان

۵۶ء ملین آبادی کی حامل وسط ایشیائی جمہوریہ تاجکستان اس وقت تاریخ کے نازک ترین موڑ سے گزر رہی ہے۔ تاجکستان کو سابق سوویت جمہوریاؤں میں سب سے غریب اور پس ماندہ جمہوریہ تصور کیا جاتا ہے۔ آزادی کے بعد جمہوریہ کی معیشت کی مزید تباہی کی ایک بڑی وجہ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان خانہ جنگی کا وہ عفریت ہے جو گزشتہ چار سالوں سے جمہوریہ کی سیاسی وحدت اور اس کے اقتصادی ڈھانچہ کو تباہ کرنے کے درپے ہے۔ یہ تنازعہ کیسے پیدا ہوا؟ اس کے اسباب کیا تھے؟ یہ جاننے کے لیے تنازعہ کے پس منظر پر نظر دوڑانا ہوگی۔

۸۰ کی دہائی کے وسط میں گورباچوف حکومت کی طرف سے پیروسٹرائکا اور گلاسناسٹ پالیسیوں کے نتیجے میں نسبتاً مذہبی رواداری کا جو ماحول سابق سوویت یونین میں پیدا ہوا اس سے حوصلہ پا کر روس کے شہر استراخان میں ۱۹۹۰ء میں کُل سوویت یونین حزب نہضت اسلامی کی بنیاد رکھی گئی۔ جسے بعد میں ماسکو کے ایک ضلع میں سرکاری طور پر رجسٹر کرایا گیا۔ حزب نہضت اسلامی کے تاسیسی اجلاس میں شریک جمہوریہ تاجکستان کے مندوبین نے وطن واپسی پر جمہوریہ میں اس کی شاخ قائم کرنے کے لیے حکومت سے اجازت طلب کی۔ ان کی درخواست کو بغیر کسی منطقی دلیل کے رد کر دیا گیا۔ حکومت کا موقف تھا کہ چونکہ کلیسا ریاستی امور میں دخیل نہیں ہے اس لیے مذہبی سیاسی جماعتوں کو کاروبار حکومت میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ جمہوریہ کی کمیونسٹ حکومت نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس میں حزب نہضت اسلامی سمیت مذہبی بنیادوں پر قائم کی جانے والی کسی بھی پارٹی کی ہر طرح کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کردی گئی۔

حزب نہضت اسلامی نے حکومت کے فیصلے کو نظر انداز کرتے ہوئے ۶ اکتوبر ۹۰ء کو پارٹی کا اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ فروری ۹۰ء میں دوشنبے میں چونکہ فسادات کی وجہ سے ہنگامی حالت نافذ تھی چنانچہ یہ اجلاس دارالحکومت کے پڑوس میں واقع ایک اور ضلع میں منعقد کیا گیا۔ اجلاس میں پارٹی قیادت کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ حکومت نے ہنگامی قوانین کی خلاف ورزی کے الزام میں پارٹی اجلاس کے منتظمین پر بھاری جرمانے عائد کیے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہنگامی حالت کا نفاذ صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دارالحکومت دوشنبے تک محدود تھا۔ حکومتی ذرائع ابلاغ نے ۹۰ء میں ہونے والے فسادات کا ذمہ دار بھی کسی حد تک حزب نہضت کو ٹھہرایا۔ ہر چند کہ ان فسادات کے وقت حزب نہضت کی تاجکستان شاخ کا قیام ابھی تک عمل میں نہیں آیا تھا۔

رفتہ رفتہ حزب نہضت اسلامی اور تاجک کمیونسٹ پارٹی کے درمیان بیانات کی جنگ شدت اختیار کرتی گئی۔ تاجک پارلیمنٹ نے ۱۲ دسمبر کو "ممنوعہ" پارٹیوں کے کارکنوں کی سزاؤں میں "قید با مشقت" کا اضافہ بھی کر دیا۔ تاجک قانون کے مطابق مذہبی تنظیمیں سیاست میں حصہ لینے کی مجاز نہیں ہیں۔ بالآخر ۱۴ دسمبر کو تاجکستان کی سپریم سویت [سوویت دور کی پارلیمنٹ] نے بھی کمیونسٹ پارٹی کی تحریک پر ایک قرارداد منظور کی جس کی رو سے تمام ایسی جماعتوں اور سماجی و سیاسی تنظیموں پر، جنہیں قانوناً ممنوعہ قرار دیا گیا تھا، پابندی کی توثیق کی گئی۔ مذکورہ قرارداد کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف کے جی بی، ایم وی ڈی اور پراسیکیوٹر حکام کو فوری اقدامات کرنے کی ہدایات جاری کی گئیں۔

حزب نہضت کی رجسٹریشن کے سلسلے میں حزب اور دوشنبے کے کمیونسٹ حکمرانوں کے درمیان جاری تنازعہ کے دوران میں قاضی اکبر تورے جانزادہ [جو اس وقت دوشنبے میں سرکاری مذہبی شعبے (قاضیات) کے سربراہ تھے] کی قیادت میں سرکاری مذہبی رہنماؤں کا ایک وفد جمہوریہ کے صدر سے ملا اور ان کے سامنے بعض معتدل تجاویز رکھیں۔ مسلمانوں کے مقدس دنوں کے دوران سرکاری تعطیلات کی تجویز کے علاوہ وفد کی دیگر تمام تجاویز کو درخور اعتناء نہ سمجھا گیا"۔ چنانچہ روسی کمیونسٹ پارٹی کے ترجمان اخبار روزنامہ کوموسولسکایا پراودا نے اپنی (۲۳ مارچ ۹۰ء کی) اشاعت میں اس وفد کی تجاویز رد کیے جانے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

> "یوں حکمرانوں نے سرکاری مذہبی قیادت اور مذہبی سیاسی پارٹی کے درمیان خط امتیاز مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ حکمران یہ ثابت کرنے کے لیے حتی المقدور جدوجہد کرتے رہے کہ مذہبی رہنما پارلیمنٹ کے ذریعے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہیں کر سکتے۔ قانونی طریقوں کے مطابق مسلمانوں کے حقوق کا دفاع کرنا درحقیقت حزب نہضت اسلامی کی اولین ترجیح ہے"۔

حکمرانوں کے معاندانہ رویّے کے پیش نظر اخبار نے مستقبل کے خدشات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید لکھا:

> "صبر و تحمل کا پیمانہ لبریز ہوتے ہی حزب نہضت اسلامی قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کمیونسٹ پارٹی کے خلاف اعلان جہاد کر دے گی۔ جس کے بعد مذہبی پارلیمانی جنگ کے گوریلا جنگ میں تبدیل ہونے کا امکان غالب ہے"۔

مذہبی جماعتوں پر پابندی کے قانون کی منظوری کے بعد تاجک کمیونسٹ حکومت نے حزب نہضت اسلامی کے کارکنوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پارٹی کارکنان اور قائدین جیلوں کی زینت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بننے لگے اور حزب نہضت اسلامی کی تمام سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی۔ حکومت کی ان متشددانہ اور ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف ماسکو کا کمیونسٹ نواز اخبار کوموسولسکایا پراودا بھی چیخ اٹھا:

"تاجکستان میں مقدس جنگ —— جہاد —— جاری ہے۔ دو جماعتیں —— کمیونسٹ پارٹی اور حزب نہضت اسلامی —— برسرپیکار ہیں۔ یہ حزب نہضت اسلامی نہیں ہے جس نے اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ اس کا طریقہ کار تو بالکل پر امن ہے۔ دراصل یہ کمیونسٹ پارٹی ہے جس کی پارلیمنٹ میں اکثریت ہے اور جو حزب نہضت اسلامی کے خلاف اعلان "جہاد" کیے ہوئے ہے"۔

تاجکستان نے ۹ ستمبر ۱۹۹۱ء کو سوویت یونین سے علیحدگی اور اپنی خود مختار حیثیت کا اعلان کیا۔ اس وقت تاجکستان کے صدر جناب قدر الدین اصلانوف تھے۔ آزادی کے اعلان کے بعد تاجکستان میں کمیونسٹ پارٹی پر پابندی لگا دی گئی۔ لیکن چونکہ تاجکستان کی سپریم سوویت میں کمیونسٹوں کی اکثریت تھی چنانچہ انہوں نے جمہوریہ کے صدر کے اس فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور قدر الدین اصلانوف کو عہدہ صدارت سے برطرف کرتے ہوئے جمہوریہ میں ہنگامی حالت کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ سپریم سوویت نے کمیونسٹ پارٹی کا نام بدل کر سوشلسٹ پارٹی رکھ لیا۔ ۲۷ نومبر ۱۹۹۱ء کو نئے انتخابات کروائے گئے جن میں سابقہ کمیونسٹ پارٹی اور موجودہ سوشلسٹ پارٹی کے امیدوار رحمان نبی یوف مبینہ طور پر ۵۷ فیصد ووٹ لے کر کامیاب ہوئے۔ حزب نہضت اور اپوزیشن کی دیگر جماعتوں کے مشترکہ صدارتی امیدوار جناب دولت خدا نذروف تھے۔ حزب اختلاف کی جماعتوں کی طرف سے انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلیوں کے الزامات لگائے گئے۔ رحمن نبی یوف اگرچہ سوشلسٹ پارٹی کے امیدوار کی حیثیت سے صدر منتخب ہوئے تاہم انہوں نے اقتدار سنبھالتے ہی سوویت عہد کے کمیونسٹوں کے رنگ ڈھنگ اپنانے شروع کر دیے۔ جنوری ۱۹۹۲ء میں انہوں نے کمیونسٹ پارٹی پر سے پابندی اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اور یوں سوشلسٹ پارٹی کو دوبارہ کمیونسٹ پارٹی کا نام دے دیا گیا۔ پارٹی نے اپنی کانفرنس منعقد کی اور برملا اس بات کا اعلان کیا کہ کمیونسٹ پارٹی کا احیاء دراصل سابق سوویت یونین کی بحالی کی جانب پہلا قدم ہے۔ سابق سوویت عہد کے استبدادی نظام کا احیاء کرتے ہوئے اجتماع اور پریس کی آزادیوں پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ دارالحکومت دوشنبے کے ایک میئر کو جس نے وسط شہر سے لینن کا مجسمہ ہٹانے کی جسارت کی تھی بدعنوانی کے الزام میں پابند سلاسل کر دیا گیا۔ سوویت طرز کی آمرانہ حکومت کی بحالی اور تاجک عوام کی ملی و قومی امنگوں کی پامالی نے عوامی اضطراب کو دوچند کر دیا[۵]۔

کمیونسٹ حکمرانوں کی بڑھتی ہوئی زیادتیوں اور ناانصافیوں کے خلاف عوام میں شدید ردعمل کا مظاہرہ ہوا۔ بالآخر جب ۲ مئی ۱۹۹۲ء کو صدر رحمن نبی یوف نے "نیشنل گارڈز" کے نام سے کمیونسٹ پارٹی کی "ملٹری ونگ" کی تشکیل کا اعلان کرتے ہوئے ۱۸۰۰ خودکار رائفلیں اپنے مداحوں اور پارٹی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کارکنوں میں تقسیم کیں تو دارالحکومت دوشنبے کی سڑکیں عوامی غیض و غضب کے سیلاب کا منظر پیش کرنے لگیں۔ لوگ سڑکوں پر نکل آئے۔ چنانچہ ایک ہفتے تک جاری رہنے والے مظاہروں کے بعد تاجکستان کے کمیونسٹ سربراہ رحمن نبی یوف ۱۱ مئی ۱۹۹۲ء کو حزب اختلاف کے ساتھ شراکت اقتدار پر راضی ہو گئے۔ رحمن نبی یوف کے اس اعلان کے نتیجے میں پارلیمنٹ کی نصف نشستیں حزب اختلاف کو ملیں۔ اور اسے حکومت کے آٹھ عہدے بشمول نائب صدارت دے دیے گئے[۶]۔ حزب نہضت اسلامی اور دیگر جمہوریت نواز پارٹیوں پر مشتمل اپوزیشن نے اس فتح پر جشن مسرت منایا۔ دارالحکومت دوشنبے میں ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔ دوشنبے کے وسط میں جنرل سعید قیوم دین غوزی نے ہزاروں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے حاضرین سے سوال کیا۔

"آپ کیا چاہتے ہیں"؟

"اسلام!"، "اسلام!" لوگوں نے چلاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا آپ اسلامی ریاست کا قیام چاہتے ہیں؟" جنرل غوزی نے ایک اور سوال کیا۔

"ہاں"، "ہاں" مظاہرین نے جواب دیا[۷]۔

اسلام کے ساتھ تاجک عوام کی مکمل وابستگی کا "پراودا" نے بھی اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"اگر لوگوں سے یہ سوال کیا جائے کہ آیا وہ ایک اسلامی ریاست میں رہنے کے خواہش مند ہیں تو عوام کی بھاری اکثریت کا جواب "ہاں" میں ہوگا۔ اس میں شک کی قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ "اسلامی ریاست کو کمیونسٹ جمہوریہ پر ترجیح دیں گے"[۸]۔

حکومت کے ساتھ شراکت اقتدار کا معاہدہ طے پا جانے کے بعد تاجکستان کے معروف مذہبی رہنما اکبر تورے جانزادہ نے مظاہرین سے منتشر ہونے کو کہا۔ تاجک خانہ جنگی کا معروضی تجزیہ کرتے وقت اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ دراصل حزب اختلاف کے جشن فتح کا یہی مظاہرہ تاجکستان کی جنگ کی طوالت کا سب سے بڑا سبب بنا ہے۔ اپوزیشن کے جشن مسرت اور عوام کی اسلام سے والہانہ محبت کے مظاہرہ کو روس اور مغرب میں خطرے کی گھنٹی سمجھا گیا۔ انہیں یہ تشویش لاحق ہونا شروع ہو گئی کہ شاید تاجکستان میں انقلاب ایران جیسے حالات پیدا ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ اگرچہ مغرب اور روس کے اس خدشے کے بارے میں جب اکبر تورے جانزادہ سے استفسار کیا گیا تو ان کا جواب نفی میں تھا۔ انہوں نے کہا:

"ہم ایرانی طرز حکومت سے مختلف انداز میں اپنی جمہوریہ کی تشکیل کے خواہاں ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ پوری دنیا ہمارے ساتھ آزادانہ طور پر تعلقات استوار کرے۔"

مغرب کے خدشات کو رد کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"تاجک سیاست میں اسلام کے اثر و نفوذ سے متعلق مغرب میں کئی غلط فہمیاں پائی جاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ تاجک جو سنی العقیدہ ہیں ایران میں شیعہ بھائیوں کی طرز کا بے لچک (rigid) نظام اپنانے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔"

اکبر تورے جانزادہ نے مزید کہا:

"ہمارے مذہبی نظریات ایران میں خمینی طرز (کے نظریات) سے مختلف ہیں۔ ہم اپنے نظریات دوسروں پر زبردستی تھوپنے کے قائل نہیں ہیں۔"

قطع نظر اس کے کہ تاجکستان میں ایرانی طرز حکومت قائم ہوتی ہے یا نہیں، وسط ایشیائی خطے میں اسلامی "بنیاد پرستی" کو مغرب اور روس کبھی پھلتے پھولتے دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔

صدر رحمن نبی یوف اور حزب اختلاف کے درمیان طے پانے والے سمجھوتے کی رو سے قائم ہونے والی حکومت کو خجند اور کلیاب کے کمیونسٹ عناصر نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف خود رحمن نبی یوف نے قوم پرستانہ جذبات کی تسکین کے لیے بعض علامتی اقدامات کے علاوہ تاجک عوام کے ملی جذبات پر مبنی ٹھوس پالیسیاں اختیار کرنے سے گریز کا عمل مسلسل جاری رکھا۔ صدر اور ان کے حامی کمیونسٹوں کی طرف سے سرکاری مشینری کو حزب اختلاف کی جماعتوں کو بدنام کرنے کے لیے استعمال کرنے کا عمل بدستور جاری رکھا گیا۔ انہیں فتنہ و فساد اور جنگ و جدل کا داعی قرار دیا جاتا رہا۔ چنانچہ مخلوط حکومت کے اندر رہتے ہوئے بھی حزب اختلاف اور صدر رحمن نبی یوف اور کمیونسٹ عناصر کے درمیان فاصلے بڑھتے رہے۔ نتیجتاً اتحادی حکومت ملک کے اقتصادی مسائل کے حل کی طرف کوئی پیش رفت نہ کر سکی۔ افراط زر کی شرح ۱۰۷ فیصد ہو گئی اور ملکی پیداوار ۸،۷ فیصد کم ہو گئی۔

"تاجک عوام اور حزب اختلاف کے حامی عناصر اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک رحمن نبی یوف عہدہ صدارت پر متمکن ہیں، اقتصادی و سیاسی اصلاحات کی توقعات عبث ہیں۔ چنانچہ عوام ایک بار پھر سڑکوں پر نکل آئے۔ عوامی جذبات کا احترام کرنے کی بجائے صدر رحمن نبی یوف نے بندوق کا سہارا لیا۔ جس کے نتیجے میں ایک ہزار قیمتی جانوں کا ضیاع ہوا۔ بہرحال ان کے خلاف عوامی احتجاج اتنا شدید تھا کہ صدر رحمان نبی یوف کو ۷ ستمبر ۱۹۹۲ء کو عہدہ صدارت سے استعفیٰ دینے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ ان کی جگہ اکبر شاہ سکندروف کو جو اس وقت پارلیمنٹ کے سپیکر تھے صدر بنا دیا گیا۔ صدر رحمن نبی یوف کی صدارت سے علیحدگی کے لیے چلائی جانے والی تحریک میں حزب اختلاف کی تین بڑی جماعتوں، حزب نہضت اسلامی، ڈیموکریٹک پارٹی اور رستاخیز کے ارکان پیش پیش تھے"۔

صدر رحمن نبی یوف کے استعفیٰ اور پارلیمنٹ کے سپیکر اکبر شاہ سکندروف کے عہدہ صدارت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر فائز ہونے کو وسطی ایشیاء کی دیگر جمہوریاؤں اور روس میں خطرے کی گھنٹی سمجھا گیا۔ چنانچہ وسط ایشیائی جمہوریاؤں کے کمیونسٹ حکمرانوں اور روسی حکومت کی شہ پر تاجکستان کے کلیابی اور خجندی کمیونسٹوں کی ملیشیا نے (اوائل ستمبر میں رحمٰن نبی یوف کے استعفیٰ کے بعد) تاجکستان میں اسلامی اور جمہوری قوتوں کے خلاف مسلح جدوجہد کی تیاریاں شروع کر دیں۔ انہوں نے اپنی ملیشیا کو پیپلز فرنٹ کا نام دیا۔ اکتوبر ۹۲ء کے آخری ہفتے (۲۴ - ۲۶ اکتوبر) میں پیپلز فرنٹ کے دستوں نے دارالحکومت پر چڑھائی کر دی۔ تاہم حکومتی افواج نے انہیں دارالحکومت سے باہر دھکیل دیا۔ نومبر ۹۲ء کے تیسرے ہفتے میں پیپلز فرنٹ کی طرف سے خجند میں بلائے گئے پارلیمنٹ کے اجلاس نے رحمٰن نبی یوف کے سابقہ استعفیٰ کو خلاف ضابطہ قرار دیتے ہوئے ان سے از سر نو استعفیٰ لیا اور صدر کا عہدہ ختم کرتے ہوئے پارلیمنٹ کے چیئرمین کے طور پر امام علی رحمانوف کے تقرر کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی پیپلز فرنٹ نے ازبک فضائیہ اور زمینی افواج کی امداد و حمایت سے دارالحکومت دوشنبے میں اسلامی جمہوری حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ دارالحکومت دوشنبے پر قبضے کے لیے لڑی جانے والی جنگ کے نتیجے میں کل تاجک آبادی کا ہر دسواں فرد بے خانماں ہوا۔ ہزاروں کی تعداد میں تاجک باشندے افغان سرحد عبور کر کے افغانستان میں خیموں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اپوزیشن کے رہنما جلاوطن ہو گئے۔ تب سے آج تک حزب اختلاف اور حکومت کے دستوں کے درمیان جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔

متحارب فریقین کے درمیان جنگ بندی معاہدہ طے کرانے اور مسئلہ کا سیاسی حل تلاش کرنے کے لیے ۲۴ اگست ۱۹۹۳ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے اپنی پہلی مگر غیر معمولی اپیل میں حکومت تاجکستان سے تنازعہ کا سیاسی حل تلاش کرنے کی ضرورت تسلیم کرنے اور جنگ بندی معاہدے کے لیے فریقین کے درمیان مذاکراتی عمل میں شریک ہونے پر زور دیا۔ اس سے قبل روس نے فریقین میں مذاکرات کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی مگر ۱۹۹۳ء کے وسط میں تاجک افغان سرحد پر متعین ۲۵ روسی فوجیوں کی اپوزیشن دستوں کے ہاتھوں ہلاکت کے بعد اس کے موقف میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی۔ چنانچہ صدر یلسن یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ وہ تاجکستان میں جاری خانہ جنگی کے خاتمے کے لیے فوجی حل کے بجائے سیاسی حل کی حمایت کرتے ہیں"۔

اقوام متحدہ اور عالمی برادری کی مداخلت سے تاجک حکومت اور اپوزیشن کے درمیان اب تک مذاکرات کے پانچ ادوار منعقد ہو چکے ہیں۔ پہلا دور اپریل ۱۹۹۴ء میں ماسکو میں شروع ہوا۔ مذاکرات کے پہلے دور کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ دوسرے دور کی میزبانی ایران نے کی۔ مذاکرات کا یہ دور جون ۹۴ میں تہران میں شروع ہوا۔ متحارب فریقین نے مذاکرات میں جنگ بندی معاہدہ پر دستخط کیے۔ ۲۱ اکتوبر کو اسلام آباد میں مذاکرات کا تیسرا دور شروع ہوا۔ اس میں فریقین نے جنگ بندی اور اقوام متحدہ کی زیر نگرانی مشترکہ مانیٹرنگ کمیشن کے قیام کی غرض سے ایک معاہدے پر دستخط کیے۔ تاہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فریقین کے درمیان کھچاؤ اور تناؤ کی کیفیت بدستور جاری رہی جس کی وجہ سے معاہدہ پر عمل درآمد میں مشکلات پیش آتی رہیں۔ جنگ بندی کے باوجود سرحدی جھڑپیں جاری رہیں۔ مذاکرات کا چوتھا دور مئی ۱۹۹۵ء میں قازقستان کے دارالحکومت الماتا میں ہوا۔ مگر اس میں بھی کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ تاجک حکومت اور اپوزیشن کے درمیان ایک بار پھر اقوام متحدہ کی کوششوں سے مذاکرات کا پانچواں دور ترکمنستان کے دارالحکومت اشک آباد میں منعقد کیا گیا۔ یہ دور آٹھ ماہ تک جاری رہا جو گزشتہ سال کے آواخر میں شروع ہوا اور اس سال جولائی میں ختم ہوا۔ یہ دور بار بار تعطل کا شکار ہوتا رہا۔ اس دوران ۲۱ جنوری کو دارالحکومت دوشنبے میں تاجکستان کے مفتی اعظم کو ان کے اہل خانہ سمیت نامعلوم بندوق برداروں نے فائرنگ کرکے ہلاک کر دیا۔ یہ حادثہ مذاکرات میں تعطل کے بعد ان کے دوبارہ شروع ہونے سے چند ہی روز قبل وقوع پذیر ہوا۔ اگرچہ فریقین نے مفتی فتح اللہ شریف زادہ کے قتل کی ذمہ داری ایک دوسرے پر عائد کی تاہم یہ کارروائی کسی تیسرے فریق کی بھی ہو سکتی ہے جس سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ تاجکستان میں بعض ایسی خفیہ طاقتیں بھی سرگرم عمل ہیں جو یہ نہیں چاہتیں کہ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان کسی طرح کی مفاہمت ہو۔ اپوزیشن کے رہنما قاضی اکبر تورے جانزادہ نے مفتی اعظم کے قتل کی مذمت کرتے ہوئے کہا "مفتی کو ان لوگوں نے قتل کیا ہے جو امن کے خواہاں نہیں ہیں"[۳]۔

۹۵ء کے آواخر میں شروع ہونے والے مذاکرات کے اس پانچویں دور میں اپوزیشن کے وفد کی قیادت قاضی اکبر تورے جان زادہ کر رہے تھے۔ اشک آباد میں ایک طرف مذاکرات جاری تھے اور دوسری طرف حکومت اور اپوزیشن کے دستوں کے درمیان عسکری جھڑپوں میں شدت آتی گئی۔ اپوزیشن کے حامیوں نے حکومت کے دستوں کو طویل درہ سے پیچھے دھکیلتے ہوئے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اکثر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ متحارب فریقین کے درمیان مذاکرات کے آغاز سے ہی میدان جنگ میں عسکری کارروائیوں میں شدت آنی شروع ہو جاتی ہے۔ فریقین ایسا اپنی سیاسی پوزیشن کو عسکری کامیابیوں سے مضبوط بنانے کے لیے کرتے ہیں۔

اپوزیشن کا بڑا مطالبہ کاروبار حکومت میں ملک کی تمام سیاسی قوتوں کی شراکت ہے۔ تاہم مذاکرات میں اس جانب کوئی پیش رفت نہ ہو سکی۔ حکومت اور اپوزیشن کے درمیان مذاکرات جاری تھے اور تاجک حکومت بار بار مذاکرات کے بائیکاٹ کی دھمکیاں دے رہی تھی کہ اسی دوران سرکاری فوج کے دو کمانڈروں نے حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ان کمانڈروں کا مطالبہ تھا کہ تنازعہ کا مؤثر حل تلاش کیا جائے۔ باغیوں کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ وزیر دفاع کو برطرف کیا جائے۔ یہ صورت حال صدر امام علی رحمانوف کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی۔ ایک طرف انہیں بین الاقوامی برادری کی طرف سے مذاکرات کے لیے شدید دباؤ کا سامنا تھا اور دوسری طرف فوج کے ایک دھڑے نے ان کے خلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغاوت کر دی تھی۔ چنانچہ انھوں نے باغی کمانڈروں کے مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے وزیر دفاع کو برطرف کردیا۔ یوں یہ بغاوت رفع ہو گئی اور باغی فوج واپس اپنی بیرکوں میں چلی گئی۔ اب صدر امام علی رحمانوف پر زیادہ دباؤ نہ تھا۔ اگرچہ انھوں نے مذاکرات میں شرکت کا فیصلہ کر لیا تاہم ایسا انھوں نے صدر یلسن کے بدلتے ہوئے تیوروں کے باعث کیا۔ صدر یلسن نے ایک موقعہ پر کہا:

"ہم سدا تاجکستان کو اپنے بازووں پر اٹھائے نہیں رکھ سکتے۔ جو لوگ وہاں مر رہے ہیں وہ ہمارے ہی آدمی ہیں[۳]"۔

روسی صدر اب تاجک حکومت سے حزب اختلاف کو رعایتیں دینے کے لیے بھی کہہ رہے ہیں۔ اپوزیشن کو کچلنے کے لیے صدر یلسن کی طرف سے تاجک حکومت کو بھرپور عسکری اور مالی امداد کی فراہمی کے باوجود صدر یلسن اب تاجک حکومت سے حزب اختلاف کو رعایتیں دینے کا مطالبہ کیوں کرنے لگے ہیں؟ اس کی ایک وجہ تو روس کی اپنی معاشی بدحالی ہو سکتی ہے۔ روس زیادہ عرصہ تک تاجک جنگ کے اخراجات برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہے۔ مگر بڑی اور اصل وجہ خطے میں بڑے پیمانے پر اسلامی بیداری کی لہر اٹھنے کا خوف ہے۔ صدر یلسن اس بات سے خائف ہیں کہ اگر تاجک خانہ جنگی زیادہ عرصہ تک جاری رہتی ہے یا عسکری فتوحات کے نتیجے میں اپوزیشن تخت اقتدار پر متمکن ہو جاتی ہے۔ تو ایسی صورت میں اسلام سے "متاثر" تاجک آبادی جو پڑوسی ریاست ازبکستان میں بھی کل آبادی کا ایک چوتھائی ہے، مکمل طور پر بنیاد پرستی کی لپیٹ میں آ سکتی ہے۔ جس کے بعد ماسکو تک بنیاد پرستی کی پیش قدمی کو کسی بھی طور پر روکا نہیں جا سکے گا۔ روسی یہ بھی جانتے ہیں کہ وادی فرغانہ (مغل شہنشاہ بابر کی آبائی سرزمین) میں اسلامی رجحانات بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ یہ وادی تین وسط ایشیائی ریاستوں میں منقسم ہے اور خطے کے وسط میں واقع ہے۔ وادی فرغانہ نہ صرف وسطی ایشیا بلکہ روس کے اندر مسلم جمہوریاؤں میں اسلامی بیداری کی لہر پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ نتیجتاً روسی فیڈریشن کے اندر واقع مسلم جمہوریائیں اپنے مسلم تشخص کے تحفظ کی خاطر آزادی کا مطالبہ بھی کر سکتی ہیں[۴]"۔

وسطی ایشیا کے مسلمان اسلام سے گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں "وسطی ایشیا میں اسلام کے اثرات" کا تجزیہ کرتے ہوئے "یالے یونیورسٹی" کے پروفیسر فیروز کاظم زادہ کہتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ وسطی ایشیا کے عوام کی تہذیبی شناخت میں اسلام ہی کو واحد اہم عنصر کی حیثیت حاصل ہے۔ تاہم ایک صدی یا اس سے زائد عرصہ تک (وسطی ایشیاء پر) سوویت قبضے کے نتیجے میں افسر شاہی، وکلاء، ڈاکٹروں، سائنسدانوں اور ادباء کا مذہبی پیشواؤں پر "تنقید سے پاک اعتقاد" ختم ہو چکا ہے۔ عمومی شناخت کے اعتبار سے وہ مسلمان ہیں تاہم ایرانی طرز کی دینی سیاست سے انھیں زیادہ لگاؤ نہیں ہے[۵]"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدر یلسن وسطی ایشیا کے مسلمانوں میں مذہب سے لگاؤ کی خوابیدہ چنگاری بھڑک اٹھنے کے خوف سے نیز تاجک حزب اختلاف کی "پارلیمانی جدوجہد" کے ممکنہ طور پر اسلامی "بنیاد پرستی" کی تحریک میں تبدیل ہونے کے خدشات کے پیش نظر تاجک صدر امام علی رحمانوف سے مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ وہ اپوزیشن کو "مراعات" دینے پر رضامند ہو جائیں۔

صدر یلسن کے اصرار اور عالمی دباؤ کے تحت اقوام متحدہ کی زیر نگرانی ہونے والے مذاکرات کا پانچواں دور بھی بغیر کسی واضح پیش رفت کے ختم ہو گیا ہے۔ تاہم مذاکرات کے دوران امام علی رحمانوف حزب اختلاف کے جلاوطن رہنماؤں کو پارلیمنٹ کے خصوصی اجلاس میں شرکت کے لیے دعوت دینے پر تیار ہو گئے تھے۔ ۱۹۹۲ء کے اواخر میں ان رہنماؤں کی جلاوطنی کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ انہیں تاجکستان کے سرکاری کنٹرول والے علاقوں میں واپس آنے کی اجازت مل رہی تھی۔ صدر رحمانوف اپنے اس وعدہ کے ایفاء میں بہرحال ناکام رہے۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ جمہوریہ کے مغربی علاقہ پر حکومت کا کنٹرول ہے جبکہ گنجان آبادی والا مشرقی علاقہ پامیر اور گورنو بدخشاں اپوزیشن کے قبضہ میں ہے۔

تاجکستان کو جنگ کی کیفیت سے نکالنے اور اس کی سیاسی اور اقتصادی صورت حال میں بہتری پیدا کرنے کی غرض سے اپوزیشن نے اپنے موقف میں نرمی پیدا کرلی ہے۔ اس سے قبل حزب اختلاف اپنے اس مطالبے پر زور دیتی رہی تھی کہ امام علی رحمانوف مستعفی ہو جائیں۔ مگر اب وہ انہیں عہدہ صدارت پر برقرار رہنے کی رعایت دینے کے لیے تیار دکھائی دے رہی ہے۔ گذشتہ دنوں ایک نجی محفل میں جناب شریف ہمت زادہ نے اپوزیشن کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

> "ہمارا مطالبہ ہے کہ مصالحتی شوریٰ تشکیل دی جائے جس میں چالیس فیصد نمائندے اپوزیشن سے، ۴۰ فیصد حکومت سے اور ۲۰ فیصد دیگر اقلیتوں سے لیے جائیں۔"

انہوں نے مزید کہا:

> "ہم صدر کے استعفیٰ کے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے ہیں۔"

شریف ہمت زادہ کے بقول:

> "مجوزہ شوریٰ کے سربراہ بے شک موجودہ صدر ہی ہوں جو عبوری حکومت کی تشکیل، مہاجرین کی وطن واپسی اور دیگر مسائل کے حل کے سلسلہ میں کیے جانے والے انتظامات کی نگرانی کے فرائض انجام دیں۔"

تاجک حکومت کی پشت پناہی کون کر رہا ہے؟ اس بارے میں شریف ہمت زادہ کہتے ہیں۔

> "موجودہ حکومت کی سرپرستی روس اور ازبکستان کی حکومتیں کر رہی ہیں۔ یہ حکومتیں نہیں چاہتیں کہ حزب نہضت اسلامی کو عبوری دور میں قابل ذکر وزارتیں دی جائیں۔ ان کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصد محض یہ ہے کہ حزب نہضت اسلامی کو غیر مسلح کیا جائے۔"

شریف ہمت زادہ نے تاجکستان کے اندر ایک داخلی اپوزیشن کے "ظہور" کا انکشاف بھی کیا ہے۔ ان کے بقول داخلی اپوزیشن کا قیام بھی روس کی ایک چال ہے۔ کیونکہ موجودہ حکومت داخلی طور پر مکمل ناکامی سے دوچار ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس حکومت کے متبادل کے طور پر روس مذکورہ داخلی اپوزیشن کی مکمل پشت پناہی کر رہا ہے۔ داخلی اپوزیشن کے روح رواں تین سابق وزراء اعظم ہیں جبکہ اس کی قیادت سابق وزیر اعظم عبدالمالک عبداللہ جانوف کے ہاتھوں میں ہے۔

تاجک خانہ جنگی نے گزشتہ چار سالوں کے دوران سوائے افراتفری، معاشی بدحالی اور سیاسی بے چینی کے ملک کو کچھ نہیں دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلے سے تباہ حال ملکی معیشت کو سنبھالا دیا جائے۔ ملک میں سیاسی استحکام پیدا کیا جائے۔ تاجکستان میں قیام امن کے سلسلہ میں تین عوامل بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

اولاً: اندرونِ تاجکستان حکومت اور حزب اختلاف کے درمیان شراکت اقتدار کے لیے مناسب طریقہ کار وضع کیا جائے۔

ثانیاً: روس، افغانستان، ایران اور ازبکستان جیسے علاقائی ممالک ذاتی مفادات کے خول سے نکل کر تاجکستان میں قیامِ امن کے لیے مخلصانہ کوشش شروع کریں اور متحارب فریقین کی پشت پناہی کی بجائے غیر جانبدار ہو کر انہیں مصالحت پر راضی کریں۔

ثالثاً: تاجکستان میں قیام امن سے روس کی کامل وابستگی تنازعہ کے حل میں مدد دے سکتی ہے۔ روس اگر غیر جانبدار رہ کر فریقین کو "کچھ لو" اور "کچھ دو" کے اصول کے تحت کسی نکتے پر راضی کر لیتا ہے تو تباہ حال اور بے خانماں تاجک عوام ایک بار پھر امن و سکون کی زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں گے۔

حواشی

1." Tajikistan —Uneasy Calm" , *Soviet Analyst*, (London) vol. 20, no. 8
April 17, 1991.
2. Ibid.
3. Ibid.
4. Ibid.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵- محمد الیاس خان، "تاجک بحران: تاریخی پس منظر، ارتقاء اور تصفیہ کے امکانات" ماہنامہ وسطی ایشیاء کے مسلمان، اسلام آباد، شمارہ جولائی - اگست ۱۹۹۵ء-

۶- ایضاً-

7. Brian Killen, "Tajik leader Nabiev Flees", *The Washington Times*, May 8, 1992.

8. Ibid.

۹- محمد الیاس خان، بحوالہ بالا-

۱۰- ایضاً-

۱۱- ایضاً-

12. "Tajik Mufti, Family Killed Ahead of Talks", *The News*, January 23, 1996.

13. "Mutiny Brewing in Tajikistan", *The Nation,* Feb. 3, 1996.

14. Ghani Erabi, "Storm Brewing in Central Asia", *Dawn*, Feb.10, 1996.

15. Ibid.

© rasailojaraid.com